کچھ ابنِ صفی کے بارے میں

● ڈاکٹر ابوالخیر کشفی [پاکستان]

ابنِ صفی کی کہانی کہاں سے شروع کروں؟ میں اس وقت اسی مسئلے کے چوراہے پر کھڑا ہوں۔ جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کے ان ریپروں سے جن پر وہ ہمارا نام لکھ کر کتاب بھیجتے ہیں یا باہمی ملاقاتوں سے یا ان کے ناولوں کے مطالعے کی تاریخ سے یا اردو ادب کے ان ناقدوں اور پنڈتوں سے جو ادب کی تاریخ میں اسرار و سراغ رسانی کے سلسلے میں ظفر عمر مرحوم کا نام تو لیتے ہیں مگر ابنِ صفی کا نام ان کی زبان و قلم پر نہیں آتا۔ اگر وہ دوسرے سراغ رسانی کے قصوں کو ادب کی قلم رو میں شامل نہ سمجھتے تو ان سے یہ شکایت نہ ہوتی، ہاں ان کے تصورِ دائرۂ ادب پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔ چلیے مختصراً تاریخی ترتیب کے ساتھ ہی میں ابنِ صفی اور اپنے رشتے کو آج قلمبند کر ڈالوں۔

۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ اس وقت کی یہ بات یوں یاد رہی کہ میں ایم اے پاس کر کے اسلامیہ کالج میں نوکری کا آغاز کر چکا تھا۔ اس سال ماہ رمضان کے روزے گرمیوں میں پڑے تھے۔ یاد نہیں کہ کون سا روزہ تھا جب مجھے شدید بخار تھا اور روزہ بھی رکھا تھا۔ کہیں افطار کرنے گیا۔ جوانی میں بخار اور دعوت...... یہ مسائل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ واپس لوٹا تو سانس کا دورہ پڑا اور شدید...... پھر بیماری کی اسی شدّت میں ہندستان جانے کا پروگرام بنایا تا کہ وہاں جا کر اپنے پھوپھا حکیم سیّد ارشاد حسین مرحوم سے علاج کراؤں۔ سفر کے سلسلے میں سہل پسند اور تن آسانی کا قائل ہوں۔ ان دنوں درجہ دوم میں سفر کرنا عیاشی سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے کمپارٹمنٹ میں ایک نوجوان خاتون اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ تھیں۔ تہذیب، آداب سے اندازہ ہوا کہ اچھی تمدنی اور ثقافتی روایات کی ترجمان ہیں۔ نہایت شدید گرمی تھی۔ میں نے بوتل والے سے لیمن کی بوتل لی اور ان خاتون سے پوچھا کہ 'آپ لیں گی؟' جواب ملا: ''بھائی! میرا روزہ ہے''۔ بھائی کے لفظ کی ادائیگی میں اپنی ذات کے اعتماد کے ساتھ دینی رشتہ کے تقدس کی جو جھلک تھی میرے وجود میں ایمان کی لہر کی طرح اتر گئی اور جب ہم امرتسر میل میں

لکھنؤ کی طرف بڑھ رہے تھے تو مجھ پر سانس کا شدید دورہ پڑا۔ میری بہن نے فوراً پیٹھ اور سینہ پر وِکس کی مالش کی۔ میں نے اپنی دوائیں کھائیں۔ اسی دورے کے دوران انھوں نے مجھے جاسوسی دنیا کے دو تین شمارے دیے۔ ''ابنِ صفی'' بالکل نیا نام تھا اور میں نے مطالعہ شروع کیا۔ کہانی کی دلچسپی میرے مرض کی شدت پر غالب آ گئی اور دو سارے شمارے (دو یا تین) ختم کر کے میں آرام سے سو گیا۔ آنکھ اگلے دن لکھنؤ آنے سے پہلے کھلی۔ یہ تھا ابنِ صفی سے میرا تعارف اور میری بہن کا مجھ پر احسان۔ دونوں میاں بیوی لکھنؤ کے اسٹیشن پر اُترے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں مشہور خاتون ناول نگار فاطمہ مبین کے بیٹے اور بہو تھے۔ لاہور میں قیام تھا۔ اب بھی وہیں ہوگا۔ اللہ دونوں کو خوش رکھے۔ میں نے سفر جاری رکھا اور اپنے آبائی شہر کانپور پہنچ گیا۔

کانپور پہنچ کر میں نے اپنے چھوٹے بھائیوں ابوالحسنات اور ابوالبرکات سلّمہٗ سے کہا کہ مجھے جاسوسی دنیا کے سارے شمارے لا دیں۔ ان دنوں کانپور بھی ہندستان کے دوسرے تمام اردو مرکزوں کی طرح ''ابنِ صفی وبا'' میں مبتلا تھا۔ یوں ابنِ صفی نے صرف جنسی ادب کی طرف ہی سے لوگوں کی دلچسپی کا رخ نہیں موڑا بلکہ ہندستان میں اردو کی بقا کے سلسلے میں بھی تاریخی کردار ادا کیا۔ میری اس بات کو صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ ہندستان میں ابنِ صفی اردو کی بقا کا واحد وسیلہ تھے۔ صرف یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ جن عناصر نے ہندستان میں اردو کتابوں کے مطالعہ کی روایت کو برقرار رکھا ابنِ صفی ان عناصر میں سے ایک عنصر تھے۔ ان شماروں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر شمارے (ہر کتاب) کے ساتھ ابنِ صفی کے اسلوب میں پختگی آتی گئی، کرداروں پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی گئی، کہانیوں کی بُنت میں ماہرانہ انداز اُبھرتا گیا۔ پھر یہ صرف جرم وسزا کی کہانیاں نہیں تھیں ان میں انسانی نفسیات کے مطالعے بھی تھے، خاندانی جھگڑوں اور موروثی خصوصیات کے عناصر بھی تھے، مجرموں کی انڈر ورلڈ (خفیہ دنیا) کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی تھا کہ جرائم کا ارتکاب ہمارے اُجلے معاشرے کے اُجلے لوگ بھی کرتے ہیں۔

ابنِ صفی کی کہانیاں میں بھی پڑھتا رہا اور میرے معالج میرے پھوپھا بھی۔ اور الحمدللہ میں تندرست ہو کر ڈیڑھ دو مہینے میں ہندستان سے واپس آ گیا۔ میرے پاکستان جانے سے پہلے میرے پھوپھا طلسمِ ہوش رُبا کے قاری تھے۔ میں جب ۵۳ء میں ہندستان پہنچا تو وہ ابنِ صفی کے حلقہ میں شامل ہو چکے تھے۔

پاکستان آ کر مجھے معلوم ہوا کہ یہاں بھی ابنِ صفی کریز کا دور دورہ ہے۔ ہمارے ایک بزرگ ہم وطن تھے (اللہ کرے اب بھی ہوں، کراچی کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بے خبر رہتے ہیں) عبدالباری صاحب، معلوم ہوا کہ جس دن جاسوسی دنیا ہندستان سے آتا ہے وہ پانچ روپے کا خریدتے ہیں۔ آدمی معقول تھے، تاجرانہ ذہنیت کے مالک ہوتے تو ایک ایک روپے میں بہتوں کو پڑھاتے۔ معلوم ہوا کہ وہ بلا معاوضہ پڑھنے کو عطا کرتے ہیں۔ میں جاسوسی دنیا ان سے لے کر پڑھنے لگا، پھر طاہر بک ڈپو تک جا پہنچا۔ بھائی طاہر اور ان سے زیادہ داؤد سے دوستی ہوگئی۔ جب جاسوسی دنیا کی نئی کتاب آتی تو داؤد میرے لیے رکھ لیتے۔ ہم ان دنوں ہر شام

صدر جاتے تھے اس لیے کتاب اسی دن مل جاتی۔ صدر میں لکھنے والوں اور ان کے قارئین کے کئی اڈے تھے۔ ایک تو طاہر بک ڈپو کے سامنے ہی پشاوری ہوٹل اور اس ہوٹل کے باہر حاجی صاحب کی پان کی دکان۔ شام کو طاہر بک ڈپو سے پشاوری ہوٹل تک اہل قلم کی ٹولیاں کھڑی باتیں کرتیں رہتیں یا ہوٹل میں چائے پینے میں مصروف رہتیں۔ یہاں سے ہم لوگ کیفے جارج یا کیفے ٹیریا جاتے اور آخر میں کیفے فردوس۔

میں نے ابنِ صفی کی جاسوسی دنیا کو نہ تو لفافے میں چھپایا اور نہ کتابوں کے درمیان دبایا۔ ہمارے دانشور جاسوسی ناول پڑھنے کو ایک عامیانہ حرکت سمجھتے مگر ان دنوں وہ سب مل کر میری جارحیت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی پوچھتا کہ ابنِ صفی کو کیوں پڑھتے ہو تو میں پوری قوت سے جواب دیتا کہ ابنِ صفی آپ کی بستی کے عظیم ناول نگاروں سے بہتر زبان لکھتا ہے۔ ان دنوں محمد حسن عسکری صاحب نثر کے مٹتے ہوئے فن پر آزردہ تھے۔ میں نے انھیں ابنِ صفی کی دو تین ناولز پڑھنے کو دیں اور پھر تو معاملہ یہ ہوا کہ وہ ہر مہینے پوچھتے۔ ''خیر صاحب، نیا ناول آیا؟'' جن لوگوں کو میں نے مشرف بہ ابنِ صفی کیا ان میں سرشار صدیقی بھی شامل ہیں اور وہ اس بات کا اعتراف بھی تحریری طور پر کر چکے ہیں۔ ناروے سے ایک اردو اسکالر فن پاکستان آئے تھے ان سے بھی میں نے ابنِ صفی کی اہمیت پر گفتگو کی اور انھوں نے عمران سیریز کے کتنے ہی ناول اپنے قیام کے دوران پڑھے۔

ابنِ صفی کے مطالعے کے دوران یہ بات مجھ پر آشکار ہوئی کہ ان کے ابتائی دو تین ناولوں کا پلاٹ مستعار تھا اور اس کا اعتراف نہیں کیا گیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں ماہنامہ ''مہر نیمروز'' کا اجرا کیا گیا، اس کے مدیر تھے سیّد علی اکبر قاصد مرحوم، مولانا حسن ندوی اور سید ابوالخیر کشفی۔ اس پرچے میں چہ دلاوراست کا سلسلہ شروع ہوا جس میں مشاہیر کی ادبی چوریوں کا انکشاف کیا جاتا تھا۔ غالباً ۱۹۵۷ء میں ایک مضمون میں اشارتاً ابنِ صفی صاحب کا ذکر بلا نام کیا گیا اور پھر حسین کاظمی صاحب سے معلوم ہوا کہ ابنِ صفی تو ہمارے شہر کے باسی ہیں۔ میں تو انھیں ہندستانی سمجھتا تھا۔ کچھ نہ پوچھیے کہ کتنی خوشی ہوئی۔ پہلی دو تین کہانیاں ان کے لیے باعث افتخار نہ تھیں، وہ تو راستہ تلاش کرنے کا مرحلہ تھا۔ ابنِ صفی صاحب نے ایک پیش رس میں ان ناولوں کا ذکر کر دیا اور بات ختم ہوگئی۔ پھر ابنِ صفی صاحب سے ملاقات ہوئی اور نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث ذہن میں تازہ ہوگئی ''مسلمان، مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے۔'' وہ تو خفا تھے نہ آزردہ بلکہ اس بات پر خوشی تھی کہ افکار کے دس سالہ نمبر میں اردو ادب کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے ان کا تذکرہ کیا تھا۔

ابنِ صفی صاحب نے پہلی، دوسری ملاقات کے بعد ہی مجھے جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کی ناولیں رجسٹرڈ ڈاک سے بھجوانی شروع کر دیں۔ وہ ریپر پر نام پتا بھی اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔

جب رجسٹری آتی تو مجھ میں اور میری بیوی بلقیس میں کشمکش شروع ہو جاتی کہ کون پہلے پڑھے گا (اگر ڈاک کے وقت میں گھر پر ہوتا ورنہ اکثر تو میرے واپس آنے سے پہلے وہ ختم کر لیتیں) ایک دن جامعہ کے ہفتۂ طلبہ کی کسی تقریب میں ابنِ صفی صاحب آئے۔ یہ ان کی وفات سے دو ڈھائی سال پہلے کی بات ہے، وہ تبخیر معدہ

کے مریض تھے اسی لیے تقریب کے بعد، میں انھیں اپنے گھر لے آیا تا کہ وہ کچھ کھالیں، کیوں کہ خاصی تاخیر ہو چکی تھی۔ گھر میں چائے پیتے ہوئے میں نے کہا کہ ''جب آپ کا کوئی ناول آتا ہے تو اپنی بیوی کے ساتھ میرے تعلقات اس دن کشیدہ ہو جاتے ہیں۔'' بڑی حیران سی معصومیت کے ساتھ وہ ہمیں دیکھنے لگے اور جب میں نے بات بتائی تو ہنس پڑے اور بولے کہ ''آئندہ یہ منزل نہیں آئے گی۔'' اگلے مہینے عمران سیریز کی دو رجسٹریاں آئیں، ایک میرے نام، دوسری بیوی کے نام۔ جب دو چار ماہ کے بعد ملاقات ہوئی تو میں نے انھیں زحمتِ مزید سے منع کیا۔ مرحوم کی وفات کے بعد جب ساڑھے پانچ بجے عمران سیریز کی ایک ناول کا آخری حصہ رجسٹری سے آیا تو میں اپنی کیفیت کیا بیان کروں۔ ان کے جانشینوں نے بھی اس محبت کا پاس کیا جو ہمارے درمیان تھی۔ پھر احمد صفی سلمہٗ سے ملاقاتیں ہوئیں اور مشتاق قریشی صاحب کو بھی میں ان کے جانشینوں میں شامل کرتا ہوں اور معنوی و روحانی اولادِ ابنِ صفی میں تو وہ ولی عہد ہیں۔

اسرار و سراغ رسانی اور تجسّس کی کہانیاں مغرب کے کئی بڑے ادیبوں نے لکھی ہیں۔ سر آرتھر کانن ڈائل، ایڈگرایلن سے لے کر جسٹرٹن تک۔ ہمارے ہاں ادبی پنڈت جاسوسی ادب کو ادب کی دنیا سے دیس نکالا دینے کے قائل ہیں۔ یہ درست ہے کہ کردار نویسی کے اعلیٰ معیار اور موضوع کی سنجیدگی کے بغیر جاسوسی ناول محض پیچیدہ اور تحیّر افزا پلاٹ کی بنا پر ادب کی بارگاہ میں جگہ نہیں پا سکتا مگر اچھا لکھنے والا جاسوسی ناول میں بھی انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں سفر کرتا ہے۔ ابنِ صفی کے ہاں صرف اس بات کی اہمیت نہیں کہ ''آگے کیا ہوگا'' ان کے ہاں ہمیں فریدی، حمید، قاسم، عمران، جوزف، سلیمان، روشی، جولیانا کی رفاقت میں اچھا وقت گزارنے کا موقع ملتا ہے۔ گیسے (GASSEI) جیسے بڑے فلسفی اور ادب شناس نے اسے ناول کی اصل اساس قرار دیا ہے۔

ابنِ صفی کی زبان و بیان کی طرف اشارہ تو کر ہی چکا ہوں۔ ابن صفی کے ہاں اختصار ہے، ان کے مکالموں میں برجستگی اور ظرافت ہے۔ یہ ظرافت کہیں زبان کی ہے، کہیں خیال کی اور کہیں صورت حال کی۔ اگر ان کے ناولوں کے ایسے ٹکڑوں کا انتخاب شائع کر دیا جائے جن میں زبان و بیان کے محاسن بہت نمایاں ہیں تو ابنِ صفی کے ادبی مرتبے کو تسلیم کروانے کی طرف یہ ایک اہم قدم ہوگا۔

ان دنوں انگریزی میں کرنل جیمس اور کیپٹن جون کے کارناموں کی دھوم ہے۔ ان کہانیوں کی تلخیص ایک مقامی ماہنامے میں شائع ہو رہی ہے۔ اگر آپ نے یہ کہانیاں پڑھی ہیں تو کیا ان میں فریدی اور حمید کی جھلکیاں نظر نہیں آتیں؟ پھر کہانیوں کی بُنت بھی وہی ہے ویسی ہی سائنسی ایجادیں اور طاقت نامی تحریک سے مماثلت ہے۔

اس وقت یہ تحریر ادائے قرض کے طور پر لکھی گئی ہے۔ انشاءاللہ ابنِ صفی کے ادبی محاسن پر پھر کبھی لکھوں گا۔

(ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی کتاب: 'آدمی اور کتاب' سے)